

رسائل و مسائل

جواب تنقیدیہ تعلیمات قرآن

از

جناب لٹن حافظ محمد اسلم صاحب جیراچ پوری

رسالہ ترجمان القرآن میں جو تنقید آپ نے شروع کی ہے اس کی دو قسطیں نظر سے گزریں۔ میں اس تنقید پر دو باتوں کا شکر گزار ہوں پہلی یہ کہ آپ نے جو کچھ لکھا ہے مسانت اور سنجیدگی سے لکھا ہے جس کی ہمارے ملک کے رسالوں میں بہت کمی ہے دوسری یہ کہ مزید تشریح و تیسرین کا موقع باقی چھوڑا ہے مگر اس کے ساتھ اس بات کی خشکایت بھی ہے کہ میں نے تعلیمات قرآن لکھی ہے اس کے لئے نقد کی کوئی قرآن ہی کو بنانا چاہئے تھا۔ مگر آپ نے عام مسلمانوں کے عقیدہ کو اس کے پرکھنے کا معیار مقرر کیا جس کے خلاف یہ کتاب ایک صد کے احتجاج ہے یہی وجہ ہے کہ آپ نے جس قدر اعتراضات کئے ہیں ان میں سے ایک بھی صحیح نہیں میں مختصر آ ان کے جوابات لکھتا ہوں۔

جن جن انس | سب سے پہلی گرفت میری کتاب پر آپ کی یہ ہے کہ جن وانس کے الفاظ قرآن میں

جہاں جہاں ساتھ ساتھ آئے ہیں وہاں ان دونوں سے مراد انسانوں کے ہی طبقات ہوتے ہیں۔ آخر میں آپ نے اس کو میری کمزوری پر محمول کیا اور کہا ہے کہ غالباً مولف نے ان لوگوں کی رائے رائے رکھی ہے جن کو جن نامی ایک آتشین مخلوق سے انکار ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ صفحہ ۳۰ میں جہاں سے جن کا بیان میں نے شروع کیا ہے پہلا فقرہ ہی لکھا ہے کہ جن ایک آتشین مخلوق ہے

جس کو اللہ نے انسان سے پہلے آگ سے پیدا کیا " اگر میں جن کے منکروں سے مرعوب ہوتا تو سب سے پہلے آتشیں جن کے وجود کو کیوں تسلیم کر لیتا۔ حاشیہ میں میں نے ہشک یہ لکھا ہے۔

جن کا لفظ قرآن میں صرف کئی سورتوں میں آیا ہے مدنی سورتوں میں کہیں نہیں آیا اور کئی

بلا جن کے سارے قرآن میں کہیں متعل ہیں ہوا ہے۔ اس سے خیال ہو سکتا ہے کہ جن

اس کے الفاظ جہاں جہاں ہاتھ ساتھ آئے ہیں وہاں جن کے معنی اس آتشیں

جن کے نہیں ہیں بلکہ انسانوں ہی کے ایک طبقہ کے ہیں۔

یہ یاد رہے کہ یہ حاشیہ کی عبارت یعنی میری اپنی بات ہے جس سے آپ کو اتفاق نہ ہو تو

فوراً قلم زد کر دیجئے کیونکہ میں نے آغاز کتاب میں ہی لکھ دیا ہے کہ حاشیہ میں میں نے جو کچھ لکھا ہے اس کو

اتنی وقت بھی نہیں دیتا کہ کوئی صاحب ان پر اعتراض کی زحمت گوارا کریں۔ یہ تو صرف طلباء قرآن

کو غور و فکر کی رہنمائی ہے اور بس وہ بھی اس لفظ کے ساتھ کہ خیال ہو سکتا ہے۔ یہ نہیں کہ حتمی یا قطعی طور پر

کہتا ہوں۔ وجہ اس خیال ہونے کی حسب ذیل آتشیں جن میں سے ابلیس ہے جس کے بارے میں اللہ

نے فرمایا ہے۔

إِنَّهُ يَرَاكُمْ هُوَ وَقَبِيلُهُ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۚ

وہ ابلیس اور اس کا قبیلہ تمکو وہاں سے دیکھتا ہے

جہاں سے تم ان کو نہ دیکھتے ہو۔

تجلیات اس کے حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس جو جن کا ریگڑ معمار اور غوطہ خور تھے

وہ نظر آتے تھے۔ ان میں سے بعض اس قدر سرکش تھے کہ زنجیروں میں باندھ کر رکھے جاتے تھے۔ انسانی

صفات ہیں۔ یہ خیال کرنا نہایت بعید ہے کہ یہ وہی آتشیں جن سے تانبے کی بڑی بڑی دیگیں

محراب اور مورتیں وغیرہ بنتے تھے اور نہایت کامل ٹھٹھیرے اور بڑے ماہر معمار ہو گئے تھے۔ کیونکہ

آتشیں جنوں کو ان امور سے کیا سرکار ہے۔ علاوہ بریں تاریخ اور خود توریث سے ہکوان نزد

کی پوری تفصیل معلوم ہوتی ہے کہ حضرت سلیمان نے مصر کے بادشاہ سے درخواست کر کے ان کو طلب کیا تھا اس لئے اگر میں نے طبایع کو اس مفہوم کی طرف توجہ دلائی ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ کوئی غلطی نہیں کی۔ آپ کی دلیل ہے کہ شیاطین حضرت سلیمان کے تابع تھے۔ اور شیطان جن ہے۔ اور جن آگ سے پیدا ہوا ہے۔ اس لئے شیاطین جو حضرت سلیمان کے تابع تھے آتشیں جن تھے اس منطقی دلیل میں دوسرا مقام یعنی شیطان جن ہے صحیح نہیں قرآن میں جو وارد ہے کہ كَانَ مِنَ النِّجْنِ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ وہ جن میں سے تھا سو اپنے رب کے حکم سے سرکشی کر بیٹھا، یہ ابلیس کے متعلق ہے نہ کہ شیطان کے۔ ابلیس بے شیطان ہے لیکن ہر شیطان ابلیس نہیں ہے اس لئے ہر شیطان جن بھی نہیں ہے قرآن میں ہے۔ شِیَاطِیْنُ الْاِنْسِ وَ النِّجْنِ۔ نیز منافقوں کے سرغنوں کو بھی شیطان کہا گیا ہے وَ اِذَا حَضُوا الِی شِیَاطِیْنِهِمْ کیا یہ دونوں بھی آتشیں ہیں؟

مفہوم خلافت ایہ بھی میں نے حاشیہ میں لکھا ہے کہ آدم کے متعلق خلیفۃ اللہ ہونے کا خیال صحیح نہیں۔ بلکہ وہ اپنے سے پہلے ساکنان زمین کے جانشین تھے اس کی وجہ یہ ہے کہ آدم یا فرزند ان آدم کی شان میں جہاں بھی قرآن میں یہ لفظ آیا ہے ”خلیفۃ فی الارض“ ”یا خلافت فی الارض“ آیا ہے آخر تک اسے قرآن میں کہیں ”خلیفۃ اللہ“ کا لفظ نہیں ہے۔ اس لئے آپ قرآن سے قطعاً آدم یا فرزند آدم کو خلیفۃ اللہ یا نائب حق ثابت نہیں کر سکتے۔ خیالی دلیلیں آپ نے دو لکھی ہیں۔

۱۔ اگرچہ حق تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے لیکن پردہ میں ہے اور پردہ میں رہنے والے کی نیابت پردہ

کے باہر رہنے والا کر سکتا ہے۔“

میں کہتا ہوں کہ قرآن میں اللہ کی شان میں اپنے سے صرف الباطن ہی دیکھا اظہار نہیں کیا۔

کسی شاعر نے خوب کہا ہے۔“

بے حجابی یہ کہ ہر اک شے میں جلوہ آشکا
اس پر پردہ یہ کہ درت آخک دیدہ

یا اس کو معذور پر وہ نشیمنوں پر قیاس کیا ہے؟ تعالیٰ اللہ عن ذالک علواً کبیراً۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ الَّذِي لَمْ يَخْذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمَلِكِ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ وَلِيٌّ مِنَ الذَّلِيلِ ۖ

ساری تعریف اللہ کے لیے ہے جو نہ تو اولاد رکھتا ہے
ملک میں کوئی اس کا شریک ہے اور نہ کمزوری کی وجہ سے
کوئی اس کا مددگار ہے۔

۲۔ دوسری دلیل آپ کی یہ ہے کہ اس نیا بت کے تخیل میں جو فرشتے ہیں وہ پرانے ساکنین ارض کی جا
نئے تخیل میں ہرگز نہیں۔

اگر خیال کی رفعت اور شاعرانہ بلند پروازی مقصود ہے تو نیا بت کے تخیل سے کہیں بلند تر منصور کا
نعرہ ہے۔ مگر اس کو تو مولانا صاحبان نے وار پر چڑھا دیا حقیقت یہ ہے کہ قرآن میں رفعت تخیل نہیں بلکہ
دیھی جاتی ہے۔ نائب حق بنا کر آپ نے آدم کا رتبہ تو بڑھا دیا مگر اس کبیر متعال کو جو ہر شے پر قادر ہے وہ
نشین قرار دینا جس کو نائب کی احتیاج ہو کس قدر اپنے درجہ سے گرا دیا۔

اصل میں آپ اگر بعد ادیوں کی تاریخ کا غماز مطالعہ کریں گے تو آپ پر واضح ہو جائیگا کہ خلیفۃ اللہ
اولیٰ اللہ وغیرہ کے الفاظ وہ سانچے ہیں جن میں انھوں نے استبداد کے بت دینی روپ میں ڈھلے تھے
آدم کا گناہ ساری دنیا ہی کہتی ہے کہ آدم نے شجر ممنوعہ کا پھل کھا لیا اور اس گناہ پر جنت سے نکالے

گئے۔ قرآن میں بھی یہی ہے۔ چنانچہ موطے کے وقت اللہ نے آدم کے فرزندوں کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا۔

يَا بَنِي آدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ لَمَّا
اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ ۗ

اے آدم کے فرزندو! شیطان کہیں اسی طرح تم کو بھی نہ
بھگائے جس طرح اس نے تمہارے والدین کو جنت سے نکلوا دیا۔

اس سے ظاہر ہے کہ شیطان کے ورغلانے سے شجر ممنوعہ جو آدم نے کھا لیا تھا اسی جرم پر جنت سے
نکالے گئے۔ دوسری آیت میں مزید تصریح ہے۔

فَاَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا

پھر شیطان نے ان کو اس سے پھلادیا اور ان کو اس

كَانَ فِيهِ - وَكُلْنَا اَهْبَطُوا اَبْغَضُكُمْ لِّلْعَصِ
عَدُوٌّ ۳۶
۱

(آرام سے) جس میں تھے نچلو اویا۔ اور ہم نے کہا کہ اترو تم
ایک دوسرے کے دشمن۔

اب میں پوچھتا ہوں کہ کیا اس ارحم الراحمین سے یہ ممکن ہے کہ گناہ بھی معاف کر دے جیسا کہ آپ کا
دعویٰ ہے اور پھر اسی جرم میں حسرت سے نکال بھی دے؟ اس لئے میں نے جو لکھا ہے کہ ”آدم کے گناہ کو اللہ نے
معاف نہیں کیا اور نہ حسرت سے نہ نکالتا“ یہ نہ تفسیر بالتراس ہے نہ اس کی بری مثال ہے جیسا کہ آپ کا گلہ
بلکہ خالص تفسیر القرآن بالقرآن ہے۔

کیا وجہ ہے کہ جب حضرت داؤد و مغفرت مانگتے ہیں فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَخَرَّ رَاكِعًا وَاَنَابَ ۳۳
تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں - فَغَفَرْنَا لَكَ ذَٰلِكَ ۳۴ مگر جب آدم و حوا مغفرت مانگتے ہیں -
رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِلْمَغْفِرْ لَنَا وَرَحِمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۳۵ تو جواب ملتا ہے -
اِهْبَطُوْا اَبْغَضُكُمْ لِعَصِ عَدُوٌّ ۳۶ آپ کا یہ کہنا کہ اللہ نے آدم کی توبہ قبول فرمائی اور ان کو برگزیدہ
کیا جس کو میں نے بھی لکھا ہے معافی کی دلیل نہیں۔ اگر توبہ و مغفرت اور عفو وغیرہ الفاظ میں جو قرآن میں
استعمال ہوئے ہیں آپ فرق نہیں کریں گے تو اس کتاب کے بہت سے حقائق قطعاً سمجھ میں نہ آئیں گے۔

مسئلہ علامی | ہر فرزند آدم زمین کا بادشاہ ہے۔ آدم کے متعلق ہے اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خٰلِفًا ۳۷

۳۷ اور فرزند ان آدم کے بارے میں ہے وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَکُمْ خٰلِفَیْنَ الْاَرْضِ ۳۸ پھر ان کی شان
میں ہے - وَ لَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْ اٰدَمَ ۳۹ کیا فرزند آدم کو جو زمین کی بادشاہت بلکہ آپ کی تفسیر کے
مطابق نائب حق ہونے کے لئے پیدا کیا گیا ہے غلام بنا لینا فطرت کے خلاف نہیں ہے؟ پھر جو چیز فطرت کے
خلاف ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ قرآن اس کو جاری رکھے آپ اس قدر تو تسلیم کرتے ہیں کہ -

غلامی کی دو صورتیں اس وقت دنیا میں رائج تھیں۔ ایک یہ کہ بعض مالک کے

باشہ دل کو پھر کر ان کی خرید و فروخت کی جاتی تھی۔ دوسری یہ کہ جنگ میں

لوگ گرفتار ہوتے تھے ان کو غلام بنا لیا جاتا تھا۔ ان دونوں شکلوں میں سے پہلی شکل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قطعاً ممنوع قرار دیا اور فرمایا کہ جو شخص کسی آزاد کو پکڑ کر بیچے گا اس کے خلاف میں خود قیامت کے روز مدعی بنوں گا۔ دُعا کی کتاب البیوع، اوردوسری شکل کے متعلق اسلام کا قانون یہ قرار پایا کہ جو لوگ جنگ میں گرفتار ہوں ان کو یا تو احسان کے طور پر رہا کر دیا جائے یا فدیہ لیکر چھوڑ دیا جائے یا دشمن سے مسلمان قیدیوں کے ساتھ انکا مبادلہ کر لیا جائے لیکن اگر رہا کر دینا جنگی مصالح کے خلاف ہو اور فدیہ نہ وصول ہو سکے اور دشمن اسیران جنگ کا مبادلہ کرنے بھی راضی نہ ہو تو مسلمانوں کو حق ہے کہ انھیں غلام بنا کر رکھیں۔

یہ تو مسلم ہوا کہ کسی آزاد کو پکڑ کر غلام بنانا ایسا سنگین جرم ہے کہ اس کے مدعی قیامت کے روز خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے۔ اب رہا اسیران جنگ کا معاملہ۔ ان کے متعلق قرآن میں قطعی حکم ہے کہ ”خَامَاتًا مَّا بُعِدُ وَاِمًا فِدَاءً ہِمْ پھریا تو احسان رکھ کر انھیں چھوڑ دو یا فدیہ لیکر۔ فدیہ خواہ زر نقد یا سامان کی صورت میں ہو یا مبادلہ اسیران کی شکل میں مگر یہ قطعی حکم ہے کہ ان کو چھوڑ دو۔ بے شک اس وقت تک وہ اسیر رکھے جاسکتے ہیں جب تک کہ اسلامی مفاد کو ان کی رہائی سے خطرہ کا اندیشہ ہو لیکن ان کو غلام نہیں بنایا جاسکتا۔ قرآن نے خود حکومت کو یہ اختیار نہیں دیا کہ ان کو ملوک بنا کر بیچے یا سپاہیوں میں تقسیم کرے۔ بلکہ وہ سرکاری قیدی ہیں گے۔ اور عزت آبرو کے ساتھ رکھے جائیں گے۔ برخلاف اس کے آپ یہ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کو حق ہے کہ وہ اسیران جنگ کو آپس میں بانٹ کر ملکیت بنا لیں اور انکو استعماں کرنا شروع کریں یا بیع کر بیچوں کی طرح دست بہ دست بیچنے لگیں، اور قیامت تک جب تک کہ مالک کو آزاد نہ کریں وہ نسلاً بعد نسل اور بطناً بعد بن غلام اور شہم کے انسانی حقوق سے محروم رکھے جائیں۔ ایک پیسہ کے مالک ہو سکیں نہ ایک جہت کے۔ اور خواہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو جائیں۔ ان کو انسانیت کا کوئی

حق کبھی نزل سکے

کیا یہ قرآن کی تعلیم ہے؟ کیا اس کو قرآن کی آیت یا کسی لفظ یا کسی حرف سے آپ ثابت کرتے ہیں؟ پھر میرے اوپر اعتراض کیوں ہے میں نے قرآن کی تعلیمات لکھی ہیں۔ آپ کا استدلال یہ ہے کہ:۔ صحابہ کے عہد میں بیت سے اسیران جنگ کو مالیک کی حیثیت سے رکھا گیا ہے۔ خود اہل بیت رسول کے گھروں میں جنگ کے پڑھے ہوئے غلام اور مفتوح ممالک سے آئی ہوئی لونڈیاں موجود تھیں۔

آپ کے نزدیک صحابہ اور اہلبیت رضی اللہ عنہم کا فعل قرآنی تعلیم ہے مگر میرے نزدیک انکا وہی فعل دینی ہے جس کی سند قرآن سے مل سکے۔ ہاں اگر آپ تاریخی حد و حد میں آکر بحث کریں تو میں کافی اور کافی جواب دیکھتا ہوں کہ کن اسباب اور حالات کی وجہ سے صحابہ اور اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین ملوک بنانے پر مجبور ہوئے۔ لیکن ان کے اس عمل کو جو ایک خاص ماحول میں تھا بلا کسی دلیل کے قرآنی تعلیم کہہ دینا جائز نہیں سمجھتا۔ قرآن ہر مسلمان کے گھر میں ہے۔ دیکھئے اور پھر دیکھئے اگر کوئی دلیل اس خلاف فطرت غلامی کی مل سکے تو پیش کیجئے۔

میں نے لکھا تھا کہ عرب میں چونکہ غلامی رائج تھی اور لوگوں کے پاس ملوک موجود تھے قرآن نے انہیں کو غلامی میں رہنے دیا اور ان کی آزادی کے لئے بھی بہت سی راہیں نکال دیں۔ اور آئندہ کے لئے راستہ ہی بند کر دیا اس پر آپ لکھتے ہیں۔

”ایسی مصلحت شناسی کو خدا کی طرف منسوب کرنا دراصل خدا کی طرف کمزوری کو

منسوب کرنا ہے جس خدا نے شراب کو حرام کر دیا اور اس معاملہ میں بندوں کی

ذرا پروا نہ کی۔ جس نے زنا کو حرام کر دیا اور اس کی ذرا پروا نہ کی کہ عراوبے

دوسرے ممالک میں اس کا کس قدر رواج تھا اس کو کون سا امر غلامی کی ہر صورت کو

قطعاً حرام کر دینے سے روک سکتا تھا ۱۱

لیکن آپ نے یہ خیال نہ کیا کہ شراب خواری۔ زنا یا قمار بازی وغیرہ شخصی اخلاقی جرائم ہیں جن کو فوراً روک ہی دینا چاہئے تھا۔ بخلاف اس کے مالیک انجی میٹھ میں داخل ہو چکے تھے۔ سینکڑوں گھرنے اور قبیلے ان کی کمائی پر گزارہ کرتے تھے ان کو فوراً آزادی کا حکم دینے سے بہت سے قبائل کی اقتصادی حالت خراب ہونے اور ان میں اقبیری واقع ہو جانے کا اندیشہ تھا اس لئے اس کا انسداد بتدریج ^{تھا} مناسبتاً اور یہی اس علیم و حکیم نے کیا۔

ملکیت زمین قرآن سے زمین پر شخصی ملکیت کا حق ثابت نہیں ہوتا۔ اس پر آپ کو اعتراض ہے تو کوئی آیت ثبوت میں نقل کرتے کسی عہد کی تاریخ سے پہلے مل نہیں ہوتا کیونکہ تاریخ ایک خاص ماحول رکھتی ہے ممکن ہے کہ وہ ماحول اب نہ ہو۔ دراصل قرآن کریم کے متعلق ہمارے اور آپ کے زاویہ نگاہ میں فرق ہے ہم قرآن کو ایک مکمل کتاب سمجھتے ہیں جس میں انسان کے جملہ دینی اور دنیاوی مسائل کا حل ہے۔ جس طرح یہ عالم فطرت انسانی معیشت کے لئے ہر طرح مکمل ہے اسی طرح یہ کلام فطرت یعنی قرآن جملہ عقدہ ہائے معاشرت کو کھول سکتا ہے۔ آج انسانی قومیں انسانی معاشرت کے مسئلہ کو حل کرنے کے لئے بیقرار ہیں اور ان میں قبضہ زمین کے مسئلہ کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ کیونکہ اس کی بدولت انسانی برادری میں نہایت غیر مساویانہ دولت کی تقسیم ہوئی ہے۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ قرآن میں اس کا حل نہیں ہے؟ آپ کا خیال یہ ہے کہ قرآن نے ”وَالْأَرْضَ وَضَعَهَا لِلْأَنَامِ“ کہہ کر صرف قدرت الہی کا اظہار کیا ہے مگر ہمارے نزدیک اس قدرت الہی کا شکوہ یہ ہے کہ ہم اس کے مطابق عمل کریں۔ اسی سورہ میں ہے ”وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنشَآتُ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ“ ۲۴

یعنی اسی کے ہیں جہاز اونچے کھڑے ہوئے سمندریں۔ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ انگریزی اور جاپانی جہازوں کو سمندریں دیکھ کر آپ قدرت حق پر اس کی حمد و ثنا کریں یا خود بڑے بڑے جنگی جہاز تعمیر کر کے سمندریں۔ یہ بہ صورت کلام الہی ایک فطری شے ہے جس کے منافع محدود اور متعین نہیں ہوتے۔ اس لئے کسی آیت کے

متعلق آپ کا یہ کہنا کہ یہ صرف ظاہر غرض کے لئے ہے صحیح نہیں ہو سکتا۔ اگر اس سے دوسرے دائرے حاصل کئے جاتے ہیں تو ضرور حاصل کئے جائیں گے۔ یہی حال فطری اشیاء کا ہے۔ باوا آدم پانی کے متعلق یہ تو ضرور جانتے تھے کہ نہانے اور پینے کی چیز ہے۔ مگر فرزند ان آدم نے اسی پانی سے بڑی بڑی شینیں۔ ریلیں اور جہاز چلانے شروع کئے۔ اور ابھی تک اس کا فائدہ محدود نہیں ہے اسی سے "ما قتل" نکالا جا چکا ہے جو دنیا کا سب سے قیمتی زہر ہے۔ اور اسی سے پروٹیم بنائے کا نسخہ بھی تیار ہو چکا ہے بعینہ ہی حال قرآنی آیات کلمہ کی فہم کو کسی ایک عہد کے ساتھ مخصوص کر دینا روا نہیں ہے۔ وہ ہر عہد میں ایک نیا عالم پیدا کر سکتی ہے۔

نظام عالم کی مدت عروج اور نزول امر کا جو مفہوم میں نے حاشیہ میں بیان کیا ہے اس کے متعلق مجھے خود تصریح کا دعویٰ نہیں ہے بلکہ میں نے صاف لکھ دیا ہے کہ "عروج و نزول امر سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے" اس سے مقصود صرف دعوت غور و فکر ہے اور کچھ نہیں۔ ان اس آیت کی تفسیر میں آپ نے جو روایت لکھی ہے کہ:-

"وہ قیامت کا دن ہے جو کافروں کے لئے پچاس ہزار سال ہو گا اور مومن کے لئے ایک

فرض نماز کے برابر"

اس سے امید ہے کہ لوگ قرآن کے مطلب کو زیادہ واضح طور پر سمجھ سکیں گے بشرطیکہ پہلے ان کو یہ بتلایا جا کہ حاضرین محشر کی نگاہوں میں کیا فرق ہو گا کہ ایک اس کو پچاس ہزار سال شمار کریگا اور دوسرا پانچ منٹ بجائیکہ کفر و ایمان کے احساس زمانی میں یہ فرق کبھی نہ تھا۔

اسلام اور ایمان ان دونوں میں خود قرآن نے تفریق کی ہے جیسا کہ بدویوں نے کہا کہ ہم مومن ہیں۔ کہہ دے کہ تم مومن نہیں ہو کیونکہ ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا ہے لیکن تم اپنے آپ کو مسلمان کہو اس صحیح آیت پر جو اعتراض آپ نے کیا ہے وہ میرے اوپر نہیں ہے بلکہ قرآن پر ہے۔ آپ کا یہ کہنا کہ "وہ مسلم نہیں کہا جاسکتا جو مومن نہ ہو" صرف بلا دلیل بلکہ اس آیت سے کھلی ہوئی بغاوت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلمہ وہ ہے جو اسلام کے ظاہری اعمال بجا لاتا ہے۔ چاہے دل میں کافر ہی کیوں نہ ہو۔ ایسا شخص قانون شریعت کی رو سے مسلمان شمار کیا جائیگا۔ اور اس کے ساتھ بشرطیکہ اس کی منافقت ثابت نہ ہو جب تک مسلمانوں کا مبارک تاج لایا جائیگا اور اسلامی حکومت میں اس کے حقوق مسلمانوں کے سے ہونگے اور یوں وہ مسلم ہے جس کے دل میں ایمان داخل ہو۔ ان دونوں میں عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہے۔ یعنی ہر کونسا مسلم ہے مگر ہر مسلم ہونے میں نہیں ہے۔ یہی قرآن سے معلوم ہوتا ہے اور یہی علماء اسلام نے بھی لکھا ہے۔

مسئلہ تقدیر قرآن کریم میں جن چیزوں کو ایمانیات میں شمار کیا ہے وہ صرف پانچ ہیں۔ اللہ یوم الآخر ملائکہ۔ کتاب اور رسول۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ
الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ
اور لیکن انہی اس کی جو ایمان لایا اللہ پر اور یوم آخریہ
اور ملائکہ پر اور کتاب پر اور نبیوں پر۔

انہی پانچوں کا اجماع رضالت بعیدہ ہے۔

وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكِتَابِهِ وَ
رُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا
بَعِيدًا ۱۳۷

جو کوئی انکار کرے اللہ سے اور ملائکہ سے اور کتابوں سے اور
رسولوں سے اور قیامت کے دن سے تو وہ دور کی
گمراہی میں پڑا۔

سارے قرآن کو بار بار دیکھنا یہ تقدیر کا کہیں ایمانیات میں ذکر ہے۔؟ مزید توضیح کے لئے میں عرض
کردینا ضروری سمجھتا ہوں کہ ایمان مجمل کے ہی پانچ اجزاء ہیں لیکن ایمان مفصل میں قرآن کا ایک ایک مسئلہ داخل
یہاں تک کہ اس بھیڑیے کی برائت بھی جس پر حضرت یوسف کے قتل کی تہمت لگائی گئی تھی۔ اگر اس سے بھی کوئی
انکار کرے گا تو وہ قرآن کا منکر ہوگا۔ تقدیر بھی قرآنی تعلیم ہے جس طرح وہ قرآن میں بیان کی گئی ہے اس کا اتنا
ضروری ہے کہ وہ ایمان مجمل کے اجزاء میں سے نہیں ہے جس طرح بھیڑیے کی برائت۔ اہل میں تقدیر کا عقیدہ پہلی
صدی ہجری میں جب جبر و قدر کی بحث چھڑی ہے ایمانیات میں داخل کیا گیا ہے۔

اتَّبِعْ عُلَمَاءَ وَصَلِيًّا | قرآن کی رو سے ہر زمانہ میں علماء و صلحاء کا فریضہ یہی ہے کہ لوگوں کے سامنے وضیح کریں خود ان کی باتیں کسی زمانہ میں بھی واجب الاتباع نہیں ہیں۔ اور یہ امر قرآن کی ان آیات سے واضح ہے جو میں نے نقل کی ہے۔ آپ نے ان کے اتباع کی دو دلیل دی ہے پہلی دلیل یہ آیت ہے "فَاسْتَعَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ"۔

لیکن اس میں اہل الذکر سے مراد اہل کتاب ہیں۔ چنانچہ دوسری آیت میں تصریح ہے۔

فَإِنْ كُنْتُمْ فِي شَكٍّ مِّمَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ فَاسْئَلُوا الَّذِينَ يُقْرَأُونَ كِتَابَ اللَّهِ فَسَيُنشِئُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ
 اور اصل علماء اہل کتاب کی وحی کی تصدیق مطلوب ہے نہ کہ ان کے اتباع کی تعلیم۔ دوسری دلیل آپ کی یہ آیت ہے۔

أُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهِدَايَتِهِمْ خُتِمَتِ الْقُلُوبُ غَدًا وَعُمْسُ الْقُلُوبِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاللَّهُ عَزِيزٌ عَلِيمٌ
 وہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی ہے اور تو انہی کی ہدایت کے پچھے چل۔
 مگر اس سے پہلے ہے۔

أُولَئِكَ الَّذِينَ اتَّخَذُوا كِتَابَ اللَّهِ هُزُوًا وَاللَّهُ عَزِيزٌ عَلِيمٌ
 یہ وہی لوگ ہیں جن کو ہم نے کتاب قوت فیصلہ اور نبوت عطا کی ہے۔

اس لئے فہد منہم میں ہم کا مرجع حضرات انبیاء میں جن کی پیروی اور اقتدا کا حکم سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا ہے۔ یہاں علماء و صلحاء ہر گز مراد نہیں ہیں۔

بزرگان دین اور ائمہ و علماء سلف کا حق صرف یہی ہے کہ ان کے حالات اور علوم سے تاریخی اور علمی فائدے حاصل کریں۔ ان کی پیروی کسی زمانہ میں بھی واجب نہیں ہے۔ اور ان کے کسی قول کو بلا کسی قرآنی سند کے اہل دین سمجھ لینا قطعی شرک ہے۔

علم غیبِ رسل

قرآن میں دو باتوں کی تصریح کی گئی ہے ایک یہ کہ انبیاء کے سوا کسی کو علم غیب نہیں دیا جاتا۔ دوسری یہ کہ انبیاء کو جو علم غیب دیا جاتا ہے وہ بندوں تک پہنچانے کے لئے دیا جاتا ہے۔ بظاہر یہ دونوں باتیں مسلمانوں کے عام عقیدہ کے مطابق نہیں کیونکہ بالعموم لوگوں کا یہ خیال ہے کہ بزرگانِ دین اور اولیاء کرام کو بھی کشف اور کرامت سے غیب کی بعض باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ رہے انبیاء کرام سو وہ تو قبل آپ کے وائسرائے ہیں ان کو راز و رون پردہ سے زیادہ آگاہ ہونا ہی چاہیے۔ اس صورت میں محلِ بحث غیب کا لفظ ہے اور اس کی سوائے اس کے اور کوئی تاویل نہیں ہو سکتی جو میں نے اختیار کی ہے یعنی اس کے مراد امورِ شریعی لئے جائیں۔ جو انبیاء کے اوپر بذریعہ وحی یعنی ملائکہ القاء کئے جاتے ہیں تاکہ وہ بندوں میں ان کی تبلیغ کریں۔ یہ غیب صرف انہیں کے ساتھ مخصوص ہے اور اس کی غرض تبلیغ ہے۔ اس تاویل سے دونوں آیتیں اپنی اپنی جگہ پر رہتی رہتی ہیں۔ اور عام عقیدہ کو بھی صدمہ نہیں پہنچتا۔

استوار علی العرش

اوپر کہیں برا جنا۔ مگر ص ۶۲ میں تصریح کر دی ہے کہ "عرش الہی سے مراد کوئی مقرر حکومت یا مرکز نہیں ہے بلکہ خود حکومت اور عالم خلق پر تسلط رکھنے اور اس کے انتظام کو استواء علی العرش سے تعبیر کیا گیا ہے" اس تصریح کے بعد اچھا اعتراض صرف لفظی رہ جاتا ہے۔ اگر استوار کے ترجمے کے لئے اردو میں کوئی لفظ اچھا مل سکے تو مجھے اس کے اختیار کرنے میں مطلق تامل نہ ہوگا۔

تمفرقات میں آپ نے میرے اوپر تجدد کا الزام لگانے کی کوشش کی ہے۔ مگر اس کے ساتھ قدامت پرستی کے فضائل و برکات پر قرآن کی کچھ آیات درج نہ فرمائیں۔ ورنہ اصل مسلم کا شیوہ نہ تجدد پرستی ہے نہ قدامت پرستی بلکہ حق پرستی ہے جو ہر زمان و مکان سے بالاتر ہے۔

آپ نے یہ تو صحیح لکھا ہے کہ قرآن کے لئے انسانی علوم کے سہاروں کی ضرورت ہے کوئی ضرورت ہی نہیں لیکن اس سے تو آپ انکار نہیں کر سکتے کہ انسانی علوم کو قرآن کے سہارے کی ضرورت ہے پھر ہم جس ماحول

میں ہیں۔ اس میں اگر اپنے علوم میں قرآن سے مدد لیں تو کوئی نساگنا ہے قرآن میں ہے۔

وَلَقَدْ جِئْتُمُوهُمْ بِكِتَابٍ فَصَّلْنَاهُ عَلَىٰ عِلْمٍ لِّئَلَّا تُفْضِلُوهُ
اور ہم ان کے پاس ایسی کتاب لائے ہیں جس کی تفصیل ہم نے
علم کے ساتھ کی ہے۔

قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۹۷
ہم نے آیات کی تفصیل ان لوگوں کے لئے کی ہے جو علم رکھتے ہیں

قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَفْقَهُونَ ۹۸
ہم نے آیات کی تفصیل ان لوگوں کے لئے کی ہے جو سمجھ سکتے ہیں۔

قرآن کی اصطلاح میں یہ علماء و فقہار وہ الالباب ہیں جو حقائق فطرت اور ملکوت السماء
و الآرض میں غور و فکر کرتے ہیں۔ چونکہ علوم فطرت ہمیشہ آگے بڑھنے والے ہیں اس لئے فہم قرآن کو بھی کسی
ماحول مخصوص کے ساتھ مقید کر دینا مناسب نہیں۔ یہ کتاب ہر زمانے سے بالاتر ہے اور ہر علمی تقدم کا ساتھ
دے سکتی ہے۔

فصل فونٹین

جونینڈا

سینر ۷۸۶

نیا اسٹاک آچکا ہے

خوبصورت اور پائیدار قیمت و اجبی خریدنے میں عجلت نہ کیجئے۔

سامان اسٹیشنری و کاغذ وغیرہ خط و کتابت سے طلب فرمائیے۔

فدائی محمد علی جنرل اسٹیشنری مہرچنڈ پتھرگی فون نمبر ۷۹۵